Cosmos Multidisciplinary Research E-Journal
Online Available at www.cmrj.in
Recognized International Peer Reviewed Journal
Impact Factor 4.94
ISSN No. 2456-1665

Maulana Abul Kalam Azad's Concept of Education:
Preservation of cultural heritage and service to humanity

مولانا ابو الکلام آزاد کا تصور تعلیم: تہذیبی ورثہ کی حفاظت اور انسانیت کی خدمت

Dr. Ansari Masood Akhtar Jamal Ahmed

Research Gude & Head of Urdu Deptt.,

MSS's Ankushrao Tope College, Jalna (M.S.) 431213

مقالہ نگار: ڈاکٹر انصاری مسعود اختر جمال احمد ندویؔ

ریسرچ گائیڈ وصدر شعبۂ اُردو،

انکوش راؤٹوپے کالج، جالنہ (مہاراشٹر)

Abstract :

Various aspects of Abul Kalam Azad's educational concepts have been discussed in detail and with an analytical point of view an attempt has been made to look at all the issues, causes and factors which together complete the personality of Abul Kalam Azad. By analyzing the environment in which his mental development took place, from the last moment to the last, the change in Maulana's outlook on the changing landscape and especially his valuable and significant achievements in the field of education. Attempts were made to form a concise opinion.

His educational ideas also focus on modern trends, Islamic minds and Western trends. Maulana was love also a collective connoisseur of the Indian War of Independence, Hindu-Muslim unity or Indian culture. In this way, he wanted to establish a harmony and balance in his educational and social conception by combining all these ideas. That is why he never tried to formulate an isolated philosophy of education. He envisioned a culture of Hindu-Muslim co-existence, which he acknowledged in the Qur'anic translation as "one nation".

In fact, Gandhiji and Tagore's educational ideas were more or less the same, and all the thinkers of the humanist school, including Maulana Azad, who wanted to advance society as a whole, used education as a tool to help preserve and promote culture. Believe me, what could be more important than this for education?

Keywords :

Indian youth, Indian Muslims, regarding teachings, modern requirements, geographical boundaries, narrow-mindedness, knowledge, civilization, development of nations, literary, political and religious writings and speeches.

مولانا آزاد جیسی کثیر الجہات شخصیت کے تصوراتِ تعلیم کا جائزہ علیحدہ طور پر اس وجہ سے مشکل ہے کہ اسے ادیبوں نے انفرادی یا آزادانہ حیثیت میں بہت زیادہ گفتگو کا موضوع نہیں بنایا۔ دنیا کو کس ڈگر پر جانا ہے، مستقبل میں ہندوستانی نوجوانوں کا رول کیا ہونا چاہئے، ہندوستانی مسلمان اپنے مسائل کیسے حل کریں اور آنے والے دنوں میں ہمارا ملک کس سمت بڑھے گا، یہ اور ان جیسے امور پر مولانا نے اپنے افکار و نظریات پیش کرتے ہوئے بعض ایسی باتیں کہیں جن سے ہم تعلیم و تعلّم کے شعبے میں ان کی تجاویز سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

یہاں ابتداء ہی میں یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ مولانا کوئی ماہر تعلیم نہیں تھے اور نہ اس موضوع پر دیگر ماہرین کی طرح، انہوں نے کوئی مبسوط نظریہ پیش کیا۔ تعلیمات کے تعلق سے دنیا جہان میں اُس زمانے جو تجربات ہو رہے تھے۔ مولانا آزاد اُن سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے باوجود، ابتدائی دور میں کلکتہ اور رانچی کے قیام سے لے کر وزارتَ تعلیم کے فرائضِ منصبی کی انجام دہی تک، مولانا نے تعلیم کے زمرے میں خصوصی توجہ دینے کی کوشش کی اور بغور دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہاں وہ لکیر کا فقیر بننے کے بجائے عصری تقاضوں اور مستقبل کے حساب سے انقلاب آفریں تبدیلیوں کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔ مولانا آزاد کے تعلیمی تصورات کی ترتیب و تشکیل میں اُن کی ادبی، سیاسی اور مذہبی تحریروں اور تقاریر و خطبات سے بھی استفادہ ضروری ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے زمانے سے لے کر ایوانِ سیاست میں داخل ہونے تک مولانا کی ابتدائی زندگی کی مختلف شقوں پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ دور مولانا آزاد کی شخصیت کی تشکیل سے متعلق ہے۔ جنگِ آزادی کے دوران گاندھی جی کے ساتھ تعمیری پروگراموں پر عمل درآمد کے مرحلے میں بھی تعلیم کے جو مسائل زیرِ بحث آتے ہوں گے، اُن کے مطالعے سے بھی مولانا کا تعلیمی تصور اور مزاج سمجھ میں آسکے گا۔ اُسی زمانے میں، آزاد ہندوستان کے اولین وزیرِ تعلیم کے طور پر جب انھوں نے ہندوستان کی تعلیمی پالیسیاں بنائیں، اُن کا جائزہ بھی ضرور لیا جانا چاہئے۔ اس کے بعد ہی مولانا آزاد کے تصور تعلیم کا خاکہ مرتب ہو سکے گا اور یہ پتہ چل سکے گا کہ مولانا کے تعلیمی افکار و نظریات کے سہارے ہندوستان کتنی دور تک اور کتنی دیر تک چل سکتا ہے؟

اس پورے پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ چودہ برس کی عمر میں مولانا کی باضابطہ تعلیم کی تکمیل 1902 میں ہو گئی۔ اس عمر میں انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر ذہن و دل کھلے نہ ہوں، مزاج میں وسیع المشربی موجود نہ ہو اور قبول وردّ کی منطق اور منصفانہ پرکھ سے ذہن و دل خالی ہوں، تو کامرانی نہیں ملے گی۔ اُس زمانے کے اخبارات لسان الصدق وغیرہ میں تحریر کردہ مضامین میں مولانا کھلی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنے اور ہر معاملے میں تجرباتی ذہن کو کام میں لانے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ قومی سطح پر 1912 سے 1916 تک البلاغ اور الہلال جیسے اخبارات کی دھوم رہی اور ان ہی توسط سے مولانا نے بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کا اعتماد حاصل کیا۔ مولانا نے اُس زمانے میں کُھل کر اپنے سیاسی، مذہبی اور تعلیمی تصورات پیش کیے۔ انھوں نے موجودہ مذہبی تعلیم کے یک رُخے مزاج پر چوٹ کی اور بعض علماء کی جانب سے سیاسی سرگرمیوں سے مسلمانوں کی علاحدگی کے مشورے کی بھرپور مذمت کی۔ سیاست انسانی زندگی کا ایک جزولاینفک ہے۔ اس سے الگ رہ کر زندگی بسر کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ ہمیں اپنے فروغ کے متعلق نہ ہی کوئی دلچسپی ہے اور دوسروں کے شانے سے شانہ ملا کر چلنے کی کوئی خواہش۔ اس لئے بہت تلخی کے ساتھ مولانا کہتے ہیں:

> " مسلمانوں کی ساری مصیبتیں صرف اسی غفلت کا نتیجہ ہیں کہ انھوں نے اس اعلیٰ تعلیم گاہ کو چھوڑ دیا اور سمجھنے لگے کہ صرف روزہ، نماز کے مسائل کے لئے اس کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت ہے ورنہ اپنے تعلیمی، تمدنی اور سیاسی اعمال سے اسے کیا سروکار؟" (الہلال، کلکتہ جلد اول شمارہ 8، 8 ستمبر 1912)

مولانا آزاد قدیم علوم سے وابستہ جماعت کے فرد تھے لیکن تلاش و جستجو اُن کی فطرت میں تھی، اس لیے اس دائرے سے باہر کی دنیا سے بھی انھوں نے رابطہ رکھا۔ ہر چند کہ انہیں جو تعلیم ملی، وہ سراسر روایتی تھی لیکن انھوں نے اپنے علمی اکتسابات کو گوناں گوں وسعت دی اور فکر و فلسفہ کی اُن دنیاؤں تک بھی گئے جہاں تک ایک روایت پرست کے لئے جانا نہایت دشوار تھا۔ مولانا کے مزاج کی یہ وسیع المشربی ہی تھی

جس کے سہارے وہ نئے سے نئے ذہن کے ساتھ چلنے میں ذرا بھی پریشانی محسوس نہیں کرتے تھے۔ مولانا اپنی تحریروں میں تعلیم کے سلسلے میں اس وسیع المشربی کی ہمیشہ تلقین کرتے رہے۔ انھوں نے ایک موقع پر لکھا تھا کہ:

" ہم اپنی مادی دولت اور ساز و سامان کو جغرافیائی حد بندیوں میں قید کر سکتے ہیں لیکن علم و تہذیب کے میدان میں تنگ نظری سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور قوموں کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

(آج کل، نئی دہلی اپریل 1959 ص 4-5)

مولانا نے اپنے تعلیمی فکر کی تشکیل میں اسی اصول کو بنیادی اعتبار بخشا ہے۔ اس میں بین الاقوامیت کے رجحانات فطری طور پر شامل ہیں۔ اس لیے یہاں ایک اور بحث طلب نکتہ سامنے آجاتا ہے۔ مغرب و مشرق کے آپسی تعلقات اور امتیازات۔ مولانا نے جس طرح علم و تہذیب کے معاملات کو تمام انسانوں سے جوڑا اور جغرافیائی حد بندیوں سے گریز کرنے کی تنبیہ کی ہے، اس سے یہ پریشانی ہو سکتی ہے کہ مشرق و مغرب کے فرق کو وہ اَن دیکھا کر رہے ہیں جس کے نتیجے کے طور پر بہت سارے معاملات میں مشکل تر مسئلے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ مولانا کی دوسری تحریروں کو دیکھیے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ان مسائل سے وہ کماحقہ واقف ہیں اور اُن کے حل کے لیے اُن کی ایک خاص رائے ہے۔ اُن کا ماننا ہے کہ مشرق و مغرب میں جو بُعد المشرقین ہے، اُسے تو ضرور دور ہونا چاہئے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ دونوں فلسفوں میں کوئی خاص بنیادی فرق نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسانی فطرت کی تفسیر و تعبیر کے مختلف دھاروں پر توجہ دی جائے تو کہیں کہیں مشرق و مغرب کے رجحانات میں حد فاصل بھی مل جائے گی۔ اب آدمی کو چاہیے کہ ایک تال میل کا سلیقہ اپنائے اور روشن تر امکانات کی جانب متوجہ رہے۔ مخاصمت اپنے آپ دور ہو جائے گی۔

مشرق و مغرب کی اسی آویزش کا ایک اہم پہلو سائنس اور ٹیکنالوجی ہے۔ اس پہلو سے مشرق اب بھی مغرب سے بہت پیچھے ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم اور اس کے استعمال کے معاملے میں مولانا کا نظریہ بالکل واضح ہے۔ آج اتنے دن گزر جانے کے بعد سائنس کی تباہ کاریوں کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ سائنس نے انسان اور فطرت کے توازن کو بگاڑ رکھا ہے، جس سے دنیا میں طرح طرح کے مسائل اور نئی پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ آدمی نے خود اپنا ایسا ظالم اور خود مختار حاکم بنالیا کہ مشین کے ایک بٹن کے ذریعے پوری دنیا ایک لمحے میں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ترقی کی دوڑ میں بڑھتے ہوئے ہمیں ڈراؤنے خواب ستانے لگے ہیں۔ لیکن اس کا علاج وہی ہے، جو آج سے دہائیوں قبل مولانا آزاد نے سمجھایا تھا۔ سائنس، "حیوانی جذبات" کے فروغ میں لگے گی تو اس سے تباہی مچے گی ہی، سائنس، انسان اور انسانیت کے مسائل حل کرنے میں جب تک تعمیراتی رول ادا کرے، اسی وقت تک وہ قابل قبول ہے۔ اب اگر وہ فطرت اور انسانیت کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے درپے ہو جائے تو اسے محدود تر کیا جانا بے حد ضروری ہے۔ مولانا نے اس کے لئے تہذیبی اور مذہبی تاویلات پیش کی ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ حقائق اور اعداد و شمار کے حوالے سے اس کی توثیق کر سکتے ہیں۔ حل بہر حال وہی ہے، جو، مولانا نے نصف صدی سے زیادہ پہلے پیش کر دیا تھا۔ مولانا کا نظریہ بالکل صاف تھا کہ وہ سائنس سے امن و سلامتی اور انسان دوستی کی توقعات رکھتے ہیں، اس سے زیادہ وہ اس کی خدمات لینے کے حق میں نہیں ہیں۔

مولانا آزاد کہا کرتے تھے کہ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں نے سمجھا ہے کہ ہمارے لئے ہر حال میں ضروری کام عوام کی تعلیم ہے۔ یہی کام سب سے زیادہ اہم ہے اور اسی کام سے ہمیں دور رکھا گیا۔ مولانا آزاد نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام میں بحیثیت وزیر تعلیم اُس زمانے میں ملی وریاستی سطح پر تعلیمی سرگرمیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کی۔ مولانا آزاد نے مرکزی، ریاستی سطح پر ملک میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے کئی اہم اقدامات اٹھائے۔ نئے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں آیا۔ انہوں نے تعلیم و تحقیق کے جو مراکز قائم کئے اُن میں ساہتیہ اکیڈمی، سنگیت، اکیڈمی اور للت اکیڈمی قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے تعلیم نسواں، پروفیشنل تعلیم اور تعلیم صنعت و حرفت کو بھی اہل وطن کے لئے ضروری قرار دیا۔ ان کی کوششوں سے 1948 میں یونیورسٹی آف ایجوکیشن کا قیام عمل میں آیا۔ 1956 میں انہوں نے یو جی سی کو قائم کرکے اعلیٰ تعلیم کو زیادہ وسائل عطا کئے۔ جس کا مقصد ملک میں اعلیٰ تعلیم کی سہولیات مہیا کرانا تھا جو اس زمانے میں نہیں تھی۔ مولانا آزاد، پنڈت نہرو کے اس قول سے متفق تھے کہ اگر ہندوستانی یونیورسٹیاں اپنے کام کو بخوبی انجام دیں تو یہ ملک کی ترقی میں ایک اہم قدم ہو گا۔ آزاد نے دیگر علوم وفنون کے ساتھ فنی تعلیم کی ضرورت بھی محسوس کی اور اس کے لئے آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن کے نام سے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا اور ملک بھر میں ٹیکنیکی تعلیم کے نئے شعبے قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

مولانا آزاد پہلے شخص تھے جنھوں نے ہندوستان میں تعلیم بالغاں سے لوگوں کو متعارف کرایا۔ ملک کے ادبی اور تہذیبی ورثے کو محفوظ رکھنے کے لئے انہوں نے شہروں میں ایجوکیشنل لائبریریاں قائم کیں جہاں بیٹھ کر لوگ اخبارات پڑھتے اور رسالوں کا مطالعہ کرتے۔ کلکتہ کی نیشنل لائبریری مولانا آزاد کی کوششوں کا ثمرہ ہے جو قابل دید ہے۔

مولانا آزاد نے ۱۵ / جنوری ۱۹۴۷ کو وزیر تعلیم کا عہدہ سنبھالا اور ۲ / فروری ۱۹۵۸ تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۴۷ میں بابو راجندر پرساد کو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس وقت گاندھی اور نہرو نے اس خالی عہدے پر مولانا آزاد کی شکل میں ایک وزیر تعلیم مقرر کر دیا۔ مولانا ملک کے حالات سے بخوبی واقف تھے جس کے پیش نظر وہ نوجوانوں کی اصلاح اور اقدار سلیم کے خواہاں تھے۔ ان کی ہمہ گیر وہمہ جہت صلاحیت کا جس شعبے میں سب سے عمدہ مظاہرہ ہوا وہ تعلیم کا میدان ہے۔ انھوں نے تقریباً گیارہ برس تک ملک کے لئے تعلیمی خدمات انجام دیں۔ وزیر تعلیم کا عہدہ سنبھالتے ہی انھوں نے یہ عزم کیا کہ وہ ہندوستان میں ایک اتنے مضبوط تعلیمی نظام کی بنیاد ڈالیں کہ آنے والی نسلیں اس پر عالی شان محل تعمیر کر سکیں۔

اختتامیہ:

گذشتہ صفحات میں ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصوّرات کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے اور تجزیاتی نقطۂ نظر کے ساتھ ان تمام امور، اسباب و علل پر نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، جن سے مل کر ابوالکلام آزاد کی شخصیت مکمّل ہوتی ہے۔ ان کی ذہنی نشوونما جس ماحول میں ہوئی، وہاں سے لے کر آخری وقت تک، بدلتے ہوئے منظروں میں مولانا کے اندازِ نظر میں جو تبدیلی آئی اور بالخصوص تعلیمات کے شعبے میں ان کے جو گراں بہا اور وقیع کارنامے سامنے آئے، ان کا تجزیہ کرکے ایک اجمالی رائے قائم کرنے کی سعی کی گئی۔

آزادی کی جنگ کے دوران گاندھی جی کی نگرانی میں کانگریس کے دوسرے رہنماوں کی طرح مولانا آزاد کی تربیتِ نو ہوئی اور مولانا

کے یہاں بشر دوست رجحانات پنپنے لگے۔ اس سے مولانا کے نظریۂ سابق میں بھی تبدیلی آئی۔ ان کے تعلیمی افکار میں عصری میلانات، اسلامی دماغ اور مغربی رجحانات پر بھی گہری توجہ ملتی ہے۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی کے ایک اجتماعی تصور، ہندو مسلم اتحاد یا ہندوستانی کلچر کے بھی مولانا شیدائی تھے۔ اس طرح وہ اپنے تعلیمی اور سماجی تصور میں ان تمام افکار کے میل جول سے ایک ہم آہنگی اور توازن قائم کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے کبھی تعلیم کا الگ تھلگ کوئی فلسفہ وضع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک ایسے کلچر کو اپنا خواب تصور کرتے تھے جو ہندو اور مسلمان کے اشتراک سے قائم ہوا، جسے ترجمان القرآن میں " امت واحدہ" تک تسلیم کیا۔ غالباً اسی لئے محمد عبد الرزاق قریشی نے قبول کیا کہ: " وہ تعلیم کو تمدن کا تابع بنانا چاہتے تھے۔"

دراصل گاندھی جی اور ٹیگور کے تعلیمی افکار کا مقصد بھی کم و بیش یہی تھا اور ہیو مد سہٹ دبستان کے تمام مفکرین بشمول مولانا آزاد، جنہیں سماج جو مکمل طور ہر آگے بڑھانے کی خواہش ہے، وہ تعلیم کو کلچر کے تحفظ اور فروغ میں تعاون دینے والا ہتھیار مانتے ہیں، تعلیم کے لئے اس سے اہم فریضہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

معاون کتب ورسائل:

۱۔ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: مرتّبہ عبد الرزاق ملیح آبادی، کلکتہ ۱۹۵۹ء، ص۔ ۱۶۸

۲۔ Life and Times of Maulana Abul Kalam Azad

۳۔، Ed. S. B. Singh, Patna, 1993, p-1

۴۔ آزاد کی کہانی۔ ص ۳۷۔۱۶۹

۵۔ ہماری آزادی: ابوالکلام آزاد ترجمہ: محمد مجیب، اورینٹ، بمبئی، فروری ۱۹۶۱ء، ص۔ ۱۱

۶۔ بہ حوالہ امام الہند ابوالکلام آزاد۔ مرتّبہ سیدہ سیدین حمید، نئی دہلی ۱۹۹۰ء، ص۔ ۲۹

۷۔ Abul Kalam Azad : An Intellectual and Religious Biography by John Henderson Douglas,Delhi. 1999,p. 44

۸۔ آزاد کی کہانی، ص ۸۳، ۲۸۲، ۷۵، ۳۷۳، ۳۵۹

۹۔ ذکر آزاد: عبد الرزاق ملیح آبادی، کلکتہ، ۱۹۶۰ء، ص: ۶۰۔۲۵۹

۱۰۔ ڈاکٹر سید عابد حسین یادگاری خطبات: مرتّبہ، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، دہلی، ۱۹۵۸ء، ص: ۵۷

۱۱ ۔ الہلال، مجلد اول، شمارہ ۸، ۸/ستمبر ۱۹۱۲ء بہ حوالہ امام الہند ابوالکلام آزاد، ص: ۴۰

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۲۷

۱۳۔ مولانا ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی: عبد القوی دسنوی، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۱۴۔ Eight Lives : Raj Mohan Gandhi, Holy Books, Inter, New Delhi, 1986, P.225

۱۵۔ آج کل، نئی دہلی، اپریل ۱۹۵۹ء، ص: ۶۔۵

۱۶۔ ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصوّرات: محمد عبد الرزاق فاروقی، گلبرگہ، ص: ۱۵۵

*****